INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 4, ISSUE 3, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

صبیح رحمانی کی نعت : بعد مابعدجدیدیت کے تناظر میں

خورشید ربانی — پی ایچ ڈی سکالر قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان
khurshidrabbani786@gmail.com

ڈاکٹر حمیدالفت ملغانی — اسسٹنٹ پروفیسر قرطبہ یونی ورسٹی، ڈی آئی خان
hameedulfatmalghani@gmail.com

Abstract

This study aims to explore the Na‘at poetry of Sabih Rahmani through the lens of post-postmodernist literary theory. While traditional Na‘at has long been rooted in classical reverence and devotional aesthetics, Rahmani's work introduces a nuanced blend of emotional intensity, contemporary consciousness, and a transcendental literary voice that resonates with the spiritual and cultural dilemmas of the modern world. Post-postmodernism characterized by a return to sincerity, spirituality, and ethical depth after the relativism and irony of postmodernism provides a fertile framework to examine how Rahmani redefines devotional poetry in a fragmented age. The research highlights how her Na‘at moves beyond surface-level praise to engage with themes such as existential yearning, identity, fragmented faith, and spiritual renewal. By using intertextuality, symbolism, and emotionally charged yet sincere language, Rahmani bridges the sacred and the personal, offering a voice that is both traditional in reverence and modern in expression. This paper argues that her poetry reflects the paradigmatic shift in contemporary devotional literature, where emotional authenticity and spiritual engagement replace intellectual detachment and ironic distanance. Ultimately, this study contributes to understanding how post-postmodernist sensibilities are reshaping Urdu Na‘at literature, with Sabih Rahmani as a significant contemporary voice in this evolving tradition. And institutional AI governance.

Keywords: *Urdu Naat, Post Modernism, Metamodern, Spiritual Aestheticism*

Corresponding Author:خورشید ربانی (سکالر پی ایچ ڈی، قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان)

Email: khurshidrabbani786@gmail.com

بعدمابعدجدیدیت ،مابعدجدیدیت کے حد سے زیادہ تشکیک، انکار، اور بے معنویت کے ردِعمل میں سامنے آنے والااجتماعی فکری رجحان ہے۔ اگرچہ ابھی یہ اصطلاح مکمل طور پر متفقہ یا مستحکم نہیں، لیکن اسے اکیسویں صدی کے رجحانات کو سمجھنے کے لیے اہم سمجھا جاتا ہے۔یہ نظریہ ۱۹۹۰ کے آخر میں سامنے آیا اور اسے مابعدجدیدیت کے ردعمل کے طور پر دیکھا گیا۔ اس اصطلاح اور تصور کو فروغ دینے میں چند فلسفیوں، نقادوں اور مفکرین کا کردار نمایاں رہا ہے۔جن میں اولیت کا سہرا امریکی ناول نگارڈیوڈ فوسٹروالس کے سر باندھا جاتا ہے۔ان کا موٗقف یہ ہے کہ اگرچہ سچائی پیچیدہ ہے، لیکن کچھ سچائیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو معنی دے سکتی ہیں۔انسان کو کسی نہ کسی مرکز، روحانی یا اخلاقی رشتے، یا یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیےتعلق، وابستگی اور مقصد ،انسانی تجربے کے لیے ضروری ہیں،اس لیےروحانیت، اخلاقیات، سادگی، اخلاص ،فطرت اور داخلی سکون کو دوبارہ اہمیت دی جائے۔وہ لکھتے ہیں:

> "مابعد جدید عہد کی طنز، بے یقینی اور فاصلے پیدا کرنے والی روش کے بعد، سچے تخلیق کار وہ ہوں گے جو خلوص، سادگی اور جذبے کو دوبارہ ادبی مرکز میں لائیں گے، چاہے انہیں پرانے یا معصوم کہہ کر رد ہی کیوں نہ کیا جائے"۔۱

یہ اقتباس والس کے بعد مابعد جدید فکری موقف کو نمایاں کرتا ہے، جہاں وہ طنز و تضحیک کے عہد سے آگے جانے کی دعوت دیتے ہیں، اور ایک سچی، جذباتی، اور اخلاقی فطرت والی ادبی تحریک کی بنیاد رکھتے ہیں۔ مخائل ایپ اسٹین (Mikhail Epstein) بعدِ مابعد جدیدیت کی فکری بنیادوں کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "بعدمابعد جدیدیت ایک ایسے یوٹوپیا) مثالی تصورِ حیات (کی دوبارہ پیدائش کی گواہ ہے جو اپنی موت کے بعد، اور مابعد جدیدیت کے شدید شک، نسبیت پسندی اور یوٹوپیائی شعور کا سامنا کرنے کے بعد جنم لیتا ہے اورفرد کو ایک زیادہ بامعنی اور وسیع تر افق عطا کرتا ہے"۔۲

بعد مابعد جدیدیت زندگی اور فن میں معنی اور مقصد کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ماضی کی طنزیہ اور سطحی روش سے ہٹ کر، اس میں دل سے بات کہنے، جذبات کے اظہار، اور اصلی پن کو اہمیت دی جاتی ہےاور ستم ظریفی کی بجائے خلوص کو ترجیح دی جاتی ہے۔اس تعرویف تفہیم کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعد مابعد جدید فکرڈیجیٹل دور کی اجنبیت، سوشل میڈیا کی سطحیت، انسانی تعلقات کی بے قدری، تہذیبی توڑ پھوڑ ،معنویت ،سچائی،روحانیت سے دوری ،عدم مرکزیت اوراخلاقیات سے روگردانی اس فکر کا باعث بنے ہیں۔ اس فکر کے چند ایک اہم پہلو یعنی مرکزیت ،روحانیت ،اخلاص،اخلاقیات اور ایک بامعنی متن کی تخلیق جیسے عناصر اردو نعت میں موجود رہے ہیں۔اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو نعتیہ شاعری میں سیرتِ رسول ﷺ، عشق ، اور روحانی مرکزیت کو صرف روایت نہیں بلکہ ایک عقلی و جمالیاتی ردعمل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایسی تحریریں جو انسان کو اندھیرے میں اکیلا چھوڑنے کے بجائے روشنی، امید، اور ربط فراہم کریں،اخلاص واخلاقیات کی اعلیٰ مثالیں تصور کی جاتی ہیں۔

نعت وہ واحد صنفِ شاعری ہے جو حضور ﷺ کی ذات کو مرکز بناتی ہے ۔ایک ایسی ذات جو روحانی، اخلاقی، اور تہذیبی حوالے سے یقینی مرکزیت فراہم کرتی ہے۔نعت میں معنی، قدر، روحانی سچائی، اور ایمان کی موثر انداز میں عکاسی ہوتی ہے ۔نعت طنز، تحقیر یا کھیل نہیں بلکہ اخلاص، جذب، عشق ، عقیدت اور سیرت رسول اکرم ؐ کی احوال و آثار کا مخزن ہوتی ہے۔نعت مذہب، روایت، زبان اور تہذیب کی گہرائیوں سے جُڑی ہوئی صنف ہے۔نعت کا شاعر اپنے آپ ، امت، اور رب سے مکالمہ کرتا ہے جو صرف عقیدت نہیں بلکہ ایک فکری عمل ہے جس میں شعور کی تہیں کھلتی ہیں۔اردو نعت کا جائزہ لیں تو اس میں روحانی وجد، تہذیبی گہرائی ، اخلاقیات ،درد، تشنگی، باطنی تلاش ،داخلی کشمکش، روحانی تلاش اور وجودی معاملات سمیت درجنوں مضامین نظر آتے ہیں۔المختصر نعت، بعدمابعد جدید ذہن کے لیے ایک فکری اور روحانی ماخذ بن سکتی ہے جو اسے بے معنویت، اجنبیت اور تہذیبی ٹوٹ پھوٹ سے نکال کر عشق، مرکزیت، اور معرفت کے راستے پر ڈالتی ہے۔

صبیح رحمانی کی نعت کو اس تناظر میں دیکھنے سے پہلےمابعد جدیدیت اور جدیدیت کا اجمالی جائزہ ضروری ہے تاکہ بعد مابعد جدیدیت کی تفہیم بہتر انداز میں ہوسکے۔مابعدجدیدیت بیسویں صدی کے وسط میں سامنے آنے والاایک فکری، فلسفیانہ، ادبی، فنّی، اور ثقافتی رجحان ہے جو جدیدیت کاردعمل کہلاتا ہے جس نے روایت، مرکزیت، سچائی، ترقی، اور معروضیت جیسے تصورات پر سوال اٹھائے۔ جدیدیت ہیں روایتی عقائد، مذہبی تشریحات، اور خرافات کے بجائے تجربہ، مشاہدہ اور منطق ، انسان کی خود ارادیت، آزادی، اور فکری صلاحیتوں کو اہم مانا جاتا ہے۔جدیدیت کے دور میں فن، ادب اور شاعری میں بھی تجربات ہوئے۔ پرانے اسالیب کو توڑا گیا، نئ زبان، نیا انداز، اور نئے موضوعات سامنے آئے۔مابعدجدیدیت کے بنیادی نظریات ہیں مرکزیت کا انکاریعنی کوئی حتمی سچ، حتمی اصول یا مرکز وجود نہیں رکھتا۔بین المتونیت یعنی ہر متن دوسرے متون سے جڑا ہوتا ہے،کوئی بھی تخلیق مکمل طور پر نئ نہیں۔کثرتِ معنی یعنی ایک ہی چیز کے کئ معنی ممکن ہیں، جو قاری کے فہم وادراک پر منحصر ہوتے ہیں۔صبیح رحمانی،کے ایک شعر کے ذریعے ان تینوں فکری رجحانات کی تفہیم کی کوشش کرتے ہیں:

انسانیت کا اوج ہے معراجِ مصطفی
یہ روشنی کی سمت سفر روشنی کا ہے[۳]

یہ شعر جدیدیت کے تناظر میں انسانی عظمت، عقل، اور شعور کو مرکزی اہمیت عطا کرتا ہے۔ جدیدیت کا نمائندہ انسان، روایت سے نکل کر عقل، تجربہ اور انکشافات کے سہارے اپنے وجود اور مقام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اس شعر میں نبی کریم ﷺ کے معراج کو انسانی ارتقاء اور شعور کی معراج کے طور پر دیکھاجاسکتاہے۔ شاعر نے معراجِ نبوی ﷺ کو محض ایک مذہبی واقعہ کے طور پر بیان نہیں کیا، بلکہ اسے انسانی امکانات کی معراج کے طور پر پیش کیا ہے یعنی وہ نقطہ جہاں انسانیت اپنی بلند ترین روحانی، اخلاقی اور فکری رفعت کو پہنچتی ہے۔

مابعد جدید فکر کے تناظر میں دیکھیں تو پہلا مصرع بظاہر ایک قطعی مذہبی سچائی کا اعلان معلوم ہوتا ہے، لیکن مابعد جدید فکر کے مطابق اس میں مرکزیت کا ایک نیا بیانیہ قائم کیا گیا ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی ذات کو انسانیت کی معراج قرار دینا۔ شاعر اسے علامت کے طور پر پیش کرتا ہے، جس میں اوج کا مفہوم صرف جسمانی یا مادی ترقی نہیں بلکہ اخلاقی، عرفانی اور روحانی ارتقا بھی ہے۔ دوسرے مصرعے میں روشنی کا استعمال ایک علامتی ابہام پیدا کرتا ہے۔ یہ روشنی وحی ہو سکتی ہے، عرفان ہو سکتی ہے، یا انسان کی فطری طلبِ حق۔ یوں سفر بھی روشنی ہے، سمت بھی روشنی، اور مقصد بھی روشنی جو کہ مابعد جدید متن کی ساختی شکست اور تہہ دار معنویت کا نمونہ ہے۔ اس شعر میں مصنف کوئی حتمی مفہوم طے کرنے کے بجائے قاری کو خود اس کی تعبیر کا اختیار دیتا ہے، جو کہ رولاں بارتھ کے تصور مصنف کی موت، سے ہم آہنگ ہے۔ شعر کی بین المتونیت بھی واضح ہے، کیونکہ یہ قرآنی آیات، نعتیہ روایت، اور صوفیانہ استعاروں سے بامعنی رشتہ قائم کرتے ہوئے، ان سب کی نئی ترتیب اور نئی تشریح پیش کرتا ہے۔ یوں یہ شعر نہ صرف عقیدت کا اظہار ہے بلکہ مابعد جدید نظریہ کے مطابق ایک ایسا متن ہے جو قاری کے شعور اور سیاق کے مطابق بار بار نئے مفاہیم پیدا کرتا ہے۔

اب اسی شعر کو بعدمابعد جدید فکر کے پس منظر میں دیکھیں تو یہ شعر ایک ایسی عظیم ہستی ﷺ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی معراج صرف انفرادی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی معراج ہے۔ شاعر یہاں معراج کو اوجِ انسانیت کہہ کر یہ پیغام دیتا ہے کہ جب انسان رسالتِ محمدی ﷺ کی پیروی میں روشنی کی سمت سفر کرتا ہے، تو وہ بےیقینی اور تیرگی کے عہد سے نکل کر یقین، ہدایت اور روشنی کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ روشنی کا سفر دراصل وہی فکری رجحان ہے جو بعدمابعدجدید دور میں نئے یقین، روحانی مرکزیت، اور معنوی وحدت کی طرف واپسی کا سمت نماہے۔ یعنی یہ شعر فکری خلا میں الجھی انسانیت کو ایک مرکز، ایک نورانی راہ اور ایک نورانی منزل کی طرف کھینچے لیے جاتاہے۔انسان، اس کی ترقی، اس کی روحانیت، اور معنویت کی تلاش، یہ تینوں موضوعات،مذکورہ تمام فکری نظریات میں کسی نہ کسی انداز میں اہم رہے ہیں، اور یہی اس شعر میں مرکزی یا اساسی نکتہ ہے۔

یہ تجزیہ دل چسپی کا حامل ہے اور اس طرح کے تجزیات ہونے بھی چاہیں تاکہ شعر اور بالخصوص نعت کا قاری،ان نظریات کو سمجھنے میں سہولت محسوس کرے اور اس فکر سے آگاہ ہو جو تخلیق کے باطن کا حصہ ہوتی ہے۔میرا موضوع چونکہ بعد ما بعد جدیدیت ہے،اس لیے گفتگو اس تک محدود رکھتے ہوئے صبیح رحمانی کی نعت کا جائزہ لیتے ہیں۔بعدمابعدجدیدیت کے نکتہ نظر سے صبیح رحمانی کی نعت استقامت ِ فکری کی حامل ہے۔یعنی ایسا طرزِ فکر جو متوازن، مضبوط اور گہرائی رکھتا ہو، وقتی یا سطحی اثرات سے متاثر نہ ہو، اصولوں پر مبنی ہو اور حالات کے دباؤ یا مروجہ رجحانات کے باوجود اپنی راہ پر قائم رہے۔صبیح رحمانی کی نعت گوئی ایک واضح فکری و روحانی بنیاد پر قائم ہے، جو وقتی رجحانات یا مابعد جدید الجھنوں سے ہٹ کر عشقِ رسول ﷺ اور اسلامی فکری روایت سے جڑی ہوئی ہے، اور اس میں سنجیدگی اور فکری استقلال نمایاں ہے۔صبیح رحمانی کا شعر دیکھیے:

فرازِ عرش پہ معراجِ معنوی کیا ہے
درِ نبی ؐ ہو میسر تو بندگی کیا ہے؟[۸]

معراج صرف تاریخی واقعہ نہیں، بلکہ ایک گہرے باطنی سفر کا استعارہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی روح کو عرش کے قریب لے جاتا ہے، جہاں ہر قسم کی دنیاوی اور مادی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ بعدمابعدجدیدیت کے فلسفے میں، یہ معراجِ معنوی اس تلاش کی نمائندگی کرتی ہے جو منتشر اور بے یقینی کی دنیا میں معنویت، یقین، اور روحانی روشنی کی بازیابی کے لیے کی جاتی ہے۔یہ معراج، ایک طرح سے انسانی وجود کے روحانی ارتقاء کی علامت ہے، جہاں عقل و فکر کے تذبذب کے بعد انسان ایک یقینی، مربوط، اور روشنی بخش مرکز کی جانب رجوع کرتا ہے۔حضور ﷺ کا درِ مبارک ایک ایسا مرکز ہے جہاں سے انسان کو اللہ کی رحمت اور عنایت حاصل ہوتی ہے۔ مابعد جدیدیت کے تناظر میں، جہاں ہر چیز کی مرکزیت اور قطعی حقیقت مشکوک ہوتی ہے، درِ نبی کی بندگی ایک روحانی مرکز کے طور پر ابھرتی ہے جو انسان کی تلاشِ وجود کو ایک یقینی شکل دیتی ہے۔ یہ بندگی وہی ہے جو انسان کو اپنے اصل وجود، محبت اور یقین سے جوڑتی ہے، اور زندگی کے فکری بکھراؤ کی دیواریں توڑ کرامن و آشتی کی طرف لے جاتی ہے۔

اتارے جسم و جاں پر سارے موسم شادمانی کے
بدل دی شہر ہستی کی فضااوّل سے آخر تک۵

یہ شعر مابعدجدید تناظر میں ایک نہایت گہری معنویت رکھتا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف شخصی تجربے بلکہ وجودی فضا کی کلی تبدیلی کا اظہار کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب مصطفوی اثرات جسم و جاں پر اترتے ہیں تو محض داخلی کیفیت ہی نہیں، بلکہ شہر ہستی کی پوری فضایعنی زندگی کا کلِ نظام، اس کا معنی، اس کا فہم اوّل سے آخر تک بدل جاتا ہے۔ مابعدجدید فکر جہاں زندگی کو ایک بکھرے ہوئے، غیرمرکوز، اور کثیر معنوی تجربے کے طور پر پیش کرتی ہے، وہاں یہ شعر ایک ایسی ہم آہنگ اور بامعنی تبدیلی کا اعلان کرتا ہے جو فرد کے باطن سے لے کر کائناتی سطح تک پھیلتی ہے۔ شاعر کی نظر میں عشقِ رسول ﷺ کوئی مجرد جذبہ نہیں بلکہ ایک ایسا نقطہ ہے جو انسانی شعور کو منتشر ہونے سے بچا کر ایک مرکز، ایک معنویت، اور ایک جمالیاتی نظام عطا کرتا ہے۔ یہ شعر دراصل مابعدجدید بے سمتی کے مقابل ایک روحانی مرکزیت اور معنوی وحدت کا اعلان ہے۔دوسرا مصرع بعدمابعد جدید رجحان کی عمدہ مثال ہے، کیونکہ اس سے واضح ہورہا ہے کہ انسانی دنیا کا مکمل مزاج، فضا، اور معنویت سیرتِ رسول ﷺ سے بدل سکتی ہے ۔گویا مایوسی، تشکیک اور روحانی خلا کا علاج کسی روحانی مرکز سے جُڑ کر ممکن ہے۔

اس تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالاتینوں نظریات کے تحت انسان کو فکری سطح پر بیدار کرنے، سوال اٹھانے، سماجی و تہذیبی ڈھانچوں کا تنقیدی جائزہ لینے کا رجحان موجود ہے۔ جدیدیت روایت سے بغاوت کرتی ہے، مابعد جدیدیت روایت کا مذاق اُڑاتی ہے، اور بعد ما بعد جدیدیت روایت سے مکالمہ کرتی ہے ۔یہ نظریات ،چاہے وہ عقلیت پر زور ہو) جدیدیت(، نظاموں کا تجزیہ) مابعد جدیدیت(، یا روحانیت کی واپسی) بعد ما بعد جدیدیت (تینوں کسی نہ کسی سماجی و فکری انقلاب کے داعی ہیں۔ ان نظریات میں زبان کو صرف اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ خود ایک موضوع سمجھا گیا ہے ۔مجموعی طور پرجدیدیت، مابعد جدیدیت، اور بعد ما بعد جدیدیت میں اختلافات کے باوجود تینوں فکری دھارے انسان، سماج، زبان، اور فن کے مابین تعلقات کو نئے انداز سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

صبیح رحمانی کی نعت کی نعت کو ان تینوں نظریات کے تحت دیکھا جاسکتا ہے لیکن یہاں میرا موضوع بعد مابعد جدیدیت کی فکری رو ہے۔ اس پس منظر میں شعر ملاحظہ ہوں:

لب پر نعت پاک کا نغمہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبی سے میرا رشتہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے٦

یہ شعر روحانی استقامت کی ایک زندہ مثال ہے۔ مابعدجدیدیت میں بیانیے، رشتے اور سچائیاں مسلسل تبدیلی کے زیرِ اثر ہوتے ہیں، مگر یہاں شاعر اعلان کرتا ہے کہ اس کا رشتہ، اس کی محبت، اور اس کا مرکز کبھی نہیں بدلا۔ گویا یہ ایک ایسا بیانیہ ہے جو مابعدجدید شکوک کے مقابل یقین کا پرچار کرتا ہے، ایسا یقین جو وقت سے ماورا ہے۔

اور کسی جانب کیوں جائیں، اور کسی کو کیوں دیکھیں
اپنا سب کچھ گنبدِ خضریٰ کل بھی تھا اور آج بھی ہے٧

یہاں مابعدجدید مرکزیت گریز نظریے کے خلاف ایک واضح موقف موجود ہے۔ مابعدجدیدیت ہر مرکز کو سوال کے کٹھرے میں لاتی ہے، لیکن شاعر شعوری طور پر ایک مرکز کا انتخاب کرتا ہے اور وہ ہے۔ گنبدِ خضریٰ۔ یہ انتخاب جذباتی نہیں بلکہ فکری اور روحانی بنیادوں پر استوار ہے۔ یہ مرکز فقط ایک روایتی علامت نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت، ایک باطنی مرکز اور عشق کی آخری منزل ہے۔

نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیاتِ مصطفیٰ ﷺ کو سوچنا اوّل سے آخر تک٨

یہ شعر دراصل سیرتِ نبوی ﷺ کو زندگی کے ہر مسئلے کا حل قرار دیتا ہے اور یہی اسلامی فکری روایت کا بنیادی نکتہ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر انسان تھوڑی دیر ٹھہر کر، سنجیدگی سے، آقا کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر غور کرے تو تمام الجھنیں ختم ہوسکتی ہیں۔یہ شعر مابعدجدیدیت کے اس عمومی بیانیے کو چیلنج کرتا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی واحد، مطلق، یا جامع بیانیہ موجود نہیں۔ مابعدجدید دور میں انسان مختلف خیالات، نظریات، اور فلسفوں کے بیچ الجھا ہوا ہے مگر یہ شعر ایک ایسا مرکز فراہم کرتا ہے جو واحد راہ نجات کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ شعر اس فکر کو رد کرتا ہے کہ ہر انسان کو اپنی الگ سچائی خود تراشنی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک ہی کامل ذات ﷺ کی حیاتِ طیبہ تمام انسانیت کے لیے مکمل راہنما ہے گویا یہ ایک ماورائے وقت وماورائے فہم مرکزیت ہے، جو فکری بے سمتی کے دور میں ایک قطب نما بن سکتی ہے۔

بہارِ نعت سے باغِ سخن لہکا صبیحؔ ایسا
تروتازہ رہی فصلِ نوا اوّل سے آخر تک٩

یہاں ایک ایسے روحانی کیفیت، جمالیاتی تسلسل اور معنوی طراوت کا اظہا ر ہے جو صبیحؔ رحمانی کی نعتیہ شاعری کو زمان و مکان سے ماورا ایک زندہ، متصل اور بامعنی تجربہ بناتا ہے۔ اوّل سے آخر تک کا ٹکڑامابعدجدید تصورِ وقت اور بکھراؤ کو چیلنج کرتا ہے، اور

بہارِ نعت اس روحانی وابستگی کی علامت ہے جو ادب کو محض ذہنی مشق نہیں، بلکہ ایک اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی عمل بنا دیتی ہے۔ یوں یہ شعر بعدمابعدجدید تنقیدی رجحان کے عین مطابق، انسانی شعور کی ،یقین، تعلق اور داخلی ہم آہنگی کی طرف ،رہنمائی کرتاہے۔

مرے طاق جاں میں نسبت کےچراغ جل رہے ہیں
مجھے خوف تیرگی کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۱۰

اس شعر میں نسبت کے چراغ ایک ایسی نورانی وابستگی کا استعارہ ہیں جو شاعر کے طاقِ جاں یعنی باطن کو ہمیشہ منور رکھتی ہے۔ یہاں نسبتِ رسول ﷺ کو روشنی کا منبع قرار دے کر شاعر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ جب رشتہ کامل ہو، تو تاریکیوں کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ یہ نظریہ بعدمابعدجدید طرزِ فکر کے عین مطابق ہے، جو مایوسی، شک، اور روحانی خلا سے نکل کر یقین، معنویت اور تعلق کی طرف واپسی کو ادب کا نیا مرکز بناتا ہے۔ اس شعر میں صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری وجودی نجات اور فکری روشنی کا مرکز نظرآتی ہے۔

میری پلکوں پہ چراغوں نے فروزاں ہوکر
اک نئی نعت کے ہونے کی بشارت دی ہے۱۱

بعدِ مابعد جدیدیت کے تناظر میں ،یہ شعرنہایت گہرا علامتی اور فکری مفہوم رکھتا ہے۔ یہ شعر نعت کو محض روایتی اظہار یا ماضی کی بازگشت کے طور پر پیش نہیں کرتا، بلکہ اسے مستقبل کی ایک روشن، بامعنی اور تخلیقی سمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بعدِ مابعد جدیدیت، جو مابعد جدید دور کی تھکن، طنز، ابہام، اور روحانی خلا سے آگے نکل کر دوبارہ معنی، روحانیت، اور یقین کی طرف لوٹنے کی کوشش ہے، اس شعر میں پوری شدت سے جلوہ گر ہے۔ پلکوں پر چراغوں کا فروزاں ہونا ایک استعاراتی منظرنامہ ہے جو باطنی بیداری، جمالیاتی لطافت اور روحانی کشف کی علامت بنتا ہے، جبکہ نئی نعت کی بشارت اس تخلیقی ولولے اور فکری تازگی کی طرف اشارہ ہے جو نعت گوئی کو عصرِ حاضر کے فکری بحران میں بھی ایک نئی زندگی عطا کر سکتی ہے۔ یوں صبیح رحمانی کا یہ شعر نعت کو بعدِ مابعد جدید عہد میں نہ صرف زندہ، بلکہ زندہ کنندہ قوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

سایہ کسی کو کیسے نظر آئے آپؐ کا
سایہ ہے خود ہی محفلِ دنیا کی روشنی۱۲

یہ شعر بعدمابعدجدیدیت کی اس فکری کیفیت کی عکاسی کرتا ہے جس میں یقین، مرکزیت، اور روحانی روشنی کی بازیابی پر زور دیا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی نسبت، جو حقیقت کی غیر مرکزیت اور تذبذب پر مشتمل ہوتی ہے، بعدمابعدجدیدیت میں انسان اپنی گمشدہ روحانی اور معنوی مرکزیت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یہ شعر، ایک انوکھے فلسفیانہ تصور کاحامل ہے جس میں سایہ، جو عام طور پر کمزوری یا ماضی کی علامت ہوتا ہے، خود محفل کی روشنی بن جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی مرکز اور یقین وہی ہے جو اپنی ظاہری حدود سے بالاتر ہو کر روشنی کا منبع بن جائے۔

دو عالم کے داتاؐ نگاہ کرم ہو

سگِ آستاں ٹھوکریں کھارہے ہیں۱۳

اس شعرمیں ایک مظلوم، شکستہ دل اور گم گشتہ انسان کی صدا سنائی دیتی ہے جو ایک ایسے روحانی مرکز کی تلاش میں ہے جو اسے تھام سکے، سنبھال سکے، اور اسے در در کی ٹھوکروں سے نجات دلا سکے۔ یہاں دوعالم کے داتا یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کو ایک ایسا مطلق روحانی مرکزمانا گیا ہے جس سے ہدایت، رحمت اور سہارا مل سکتا ہے۔ سگِ آستاں کا استعارہ نہ صرف ادب و عاجزی کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس تعلقِ وفا کو بھی، جو بعدمابعدجدید انسان اپنی شناخت، بقا اور نجات کے لیے دوبارہ قائم کرنا چاہتا ہے۔یہ شعر صرف دعا یا عقیدت نہیں، بلکہ اس عہد کی ایک روحانی ضرورت کی عکاسی ہے۔ ایک ایسا عہد جو مابعد جدیدیت کے فکری انتشار سے گزر کر ، ایک مقدس مرکز، تعلق اور یقین کا طلبگار ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات کو نگاہِ کرم کا ماخذ ماننا، بعدمابعدجدید نظریے کے اس رجحان کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے جو انکار سے یقین، شک سے ایمان، اور تہذیبی انقطاع سے روحانی وابستگی کی طرف واپسی کی علامت بن چکا ہے۔

اب کوئی راہبر نہیں درکار

مل گئے ان کے نقشِ پا کے چراغ۱۴

اس شعر میں نقشِ پا کے چراغ، صرف ایک عقیدت مندانہ استعارہ نہیں بلکہ راستہ دکھانے والے مستقل، لازوال اور تجربہ شدہ اصولوں کی علامت ہے جو رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت میں مضمر ہیں۔ شاعر اس یقین کا اعلان کرتا ہے کہ جب منزل اتنی واضح ہو جائے تو خارجی راہبروں، نظریاتی پیچیدگیوں، یا فلسفیانہ ابہام کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ نعتیہ شعر دراصل اس فکری خلا کا جواب ہے جو مابعد جدیدیت نے پیدا کیا تھا، اور بعدِ مابعد جدید نعت گوئی کو ایک فکری استقامت، روحانی روشنی اور معنوی مرکزیت کی ادبی صورت دے رہا ہے۔

کھویا کھویا ہےدل، ہونٹ چپ دل، آنکھ نم ہیں مواجہ پہ ہم

روبرو ان کے لایا ہے ان کا کرم ہیں مواجہ پہ ہم۱۵

اس شعر میں ایک گہری روحانی کیفیت اور داخلی تجربے کوبیان کیا گیا ہے جو عقیدت کی انتہا پر پہنچ کر لفظوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ مواجہ پہ ہونا یعنی روضۂ رسول ﷺ کے سامنے ہونا، محض ایک خارجی کیفیت نہیں بلکہ روحانی مرکز کے ساتھ وصل کا عرفانی استعارہ ہے۔ بعدِ مابعد جدید فکر کے مطابق جب انسان اپنی فکری تھکن اور روحانی خالی پن سے نکلتا ہے تو وہ ایسے ہی باطنی احوال سے گزرتا ہے جہاں خلوص، جذب، اور خامشی ہی سب سے بلیغ اظہار بن جاتے ہیں۔ یوں یہ شعر نعت کو نہ صرف روحانی تجربے کی زبان بناتا ہے بلکہ ایک فکری و جمالیاتی احیاءکے طور پر بھی پیش کرتا ہے۔

اس مختصر سے تجزیے میں یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ صبیح رحمانی کی نعت، ایک روحانی مرکز کی بازیافت کا بیانیہ ہے۔ ایسا بیانیہ جس میں نبی کریم ﷺ کی ذات نہ صرف فرد کے داخلی وجود کو تازگی بخشتی ہے بلکہ پوری اجتماعی فضاشہر ہستی کو نئی معنویت، روشنی اور استقامت عطا کرتی ہے۔ بعدِ مابعد جدید عہد کے قاری کوجو ٹوٹ پھوٹ، الجھن، اور روحانی خلا سے دوچار ہے، صبیح رحمانی کی نعت وجودی تسکین اور فکری رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یوں صبیح رحمانی کی نعت گوئی نہ صرف روایت سے جڑی ہے بلکہ جدید فکری بحرانوں کا شعوری جواب بھی فراہم کرتی ہے، اور بعدمابعد جدید اردو نعت کے ایک مؤثر شعری نمونے کے طور پر سامنے آتی ہے۔

حوالہ جات

David Foster Wallzce,E Unibus Pluram,Rwwview of contemporary fiction, Summer 1993,P151

Mikael Epstein,Russian Postmodernism: New Perspectives on Post-Soviet Culture berghahn books new york ,2015,p456

۳۔ صبیح رحمانی،کلیاتِ صبیح رحمانی،مرتب،ڈاکٹر شہزاد احمد،کراچی:دالالسلام،۲۰۱۹،ص ۲۱۳

۴۔ایضاً،ص ۸۳

۵۔ایضاً،ص ۲۰۱

۶۔ایضاً،ص ۱۱۱

۷۔ایضاً،ص ۱۱۱

۸۔ایضاً،ص ۲۰۱

۹۔ایضاً،ص ۲۰۱

۱۰۔ایضاً،ص ۱۹۷

۱۱۔ایضاً،ص ۲۵۹

۱۲۔ایضاً،ص ۸۷

۱۳۔ایضاً،ص ۹۱

۱۴۔ایضاً،ص ۲۷۹

۱۵۔ایضاً،ص ۲۶۰